مٹھائی
کا
کارخانہ

مائل خیرآبادیؒ

کتابیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی

اچھی کتابیں تمھیں اچھا بنا سکتی ہیں

بُری کتابیں تمھیں بگاڑ دیں گی !

تم کتابیں پڑھو

مگر

اچھی کتابیں پڑھو۔ بُری کتابوں سے بچو

تم کو تو خود اچھا بننا ہے

اور دوسروں کو اچھا بنانا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مٹھائی کا کارخانہ

ہم بچوں کو کہانی سننے کا شوق ہوتا ہی ہے، مگر چندا چاچا کو کہانی کہنے کا بھی بڑا شوق ہے۔ شام ہوئی، کھانا کھایا، چارپائی پر پہنچے، کہ بس پکارنے لگے "ارے سدّو میاں! حقّہ بھر لاؤ بیٹے۔ اری ثرّو! پان تو لا بیٹی۔ او انّو بی! ذرا پانی تو پلانا بھئی۔ اور اے صفّو بی! تم خلال کرنے کو کوئی تنکا لیتی آنا۔"

اسی طرح ایک ایک کا نام لیتے، اور جو پاس جاتا اُسے وہیں بٹھا لیتے، اب اگر امّی جان، یا ابّو میاں کوئی لاکھ پکارتا، چاچا میاں ہم کو نہ چھوڑتے۔ ہمارے بدلے امّی جان اور ابو میاں کو خود ہی جواب دے

دیتے "ارے کیا ہے کیا؟ کیوں بچوں کی پکار پڑی ہے؟ دن بھر کے تھکے ہارے اب ذرا بیٹھے ہیں۔ غریب کہ آپ لوگوں نے ناک میں دم کر دیا۔ اس وقت کوئی نہیں آئے گا۔ اب میں انھیں اللہ، رسول کی باتیں بتاؤں گا......"

چاچا میاں اس طرح کہتے، اور امی جان یا ابو میاں چاچا کی باتیں سن کر مسکرا دیتے اور چپ ہو جاتے۔

ہم بچوں کو کہانی سننے کا شوق تو ہوتا ہی ہے، مگر کبھی کبھی ہم سب خوب بنتے یا چاچا میاں کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم چاچا سے کہتے، آج کہانی سننے کو جی نہیں چاہتا، آج کچھ اور باتیں کیجئے، مگر چاچا جواب دیتے "بے وقوفی کی باتیں مت کرو، آج ایسی کہانی سناؤں کہ یاد کرو، وہ مزا آئے کہ برسوں نہ بھولو"

اور پھر ہم دھیان دیں یا نہ دیں، چاچا اپنے آپ کہانی شروع کر دیتے کہ "ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ......"

آج چاچا میاں نے "ہمارا تمہارا باشاہ" شروع کیا تو سدّو میاں بولے۔ "چاچا میاں! بادشاہ وادشاہ کی

کہانیاں تو آپ روز ہی سناتے ہیں ——— آج کوئی ایسی کہانی سُنائیے جس میں یہ نصیحت ہو کہ اسے سُن کر یہ جو ہیں نا! ہماری چھوٹی بجیا انّو بی! بڑی سُست، تو یہ محنتی بن جائیں۔"

سدّو میاں سے یہ سُنا تو انّو چمک کر بولی۔"میں کیوں سُست ہوں، آپ خود کام چور ہیں، روز مدرسے دیر کر کے جاتے ہیں۔" اور پھر سدّو میاں اور انّو میں نوک جھونک ہونے لگی۔

یہ دیکھا تو چاچا میاں نے کہا:" چاہے سدّو میاں سُست ہوں، چاہے انّو بی اور چاہے کوئی اور لو ایسی کہانی سُناؤں کہ جو سُنے اُس سے نصیحت حاصل کرے۔"

یہ کہہ کر چاچا میاں نے ہمارے جواب کا راستہ نہ دیکھا۔ جھٹ کہانی شروع کر دی:" اچھا بھئی تو کارخانے کے مالک نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کارخانے میں کام کرنے کے لئے ایسے بچوں کی ضرورت ہے جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور اُن کی عمر ۱۴ سال سے کم اور ۱۷ سال سے زیادہ نہ ہو......"

چاچا میاں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ثدّو بولی:" ارے

ارے چاچا میاں! آج آپ کہانی کس طرح کہنے لگے؟ یہ تو بتائیے کہ کارخانہ کیسا تھا، اور کارخانے کا مالک کون تھا؟ وہ لڑکوں ہی کو کام پر کیوں لگانا چاہتا تھا؟"

چاچا میاں نے کہا" اچھا......! یوں..... اچھا لو سنو! ایک تھا سیٹھ۔ اس نے ایک ایسا کارخانہ کھولنے کا ارادہ کیا۔ جس میں چھوٹے بچوں کے لئے طرح طرح کی مٹھائیاں بن سکیں۔ لیکن سیٹھ تھا بڑا سمجھ دار آدمی۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکے کم اُجرت پر کام کے لئے مل جائیں گے، اور پھر وہ سیٹھ یہ بھی چاہتا تھا کہ لڑکے نوکری چاکری کے دھندوں اور پھندوں میں نہ پھنسیں۔ کام کاج اور ہُنر سیکھیں اور بڑے ہو کر کوئی اچھا سا دھندہ کر سکیں۔ نوکری میں تو بس رُکنی بوٹی نیا شوربہ۔ پھر نوکری میں اگر ہاں حضوری نہ کرو تو نکال دیئے جاؤ۔"

" بڑا اچھا تھا سیٹھ!" سدّو میاں بیچ میں بول دیئے۔

" اور لڑکوں پر کیسا پیارا تھا؟" ثرّو نے بھی اپنا خیال ظاہر کیا۔

" مگر تھا بڑا سیانا" انّو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

" ارے چُپ بھی رہو۔ سنو تو پھر کیا ہوا" صفّو نے سب

کو ڈانٹا۔

چاچا میاں ذرا کی ذرا چپ ہوئے۔ پھر کسی کی بات کا بے کچھ جواب دیئے بغیر کہانی شروع کر دی۔" اچھا تو سیٹھ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں، مٹھائی کے کارخانے کی باتیں ہونے لگیں۔ چاروں طرف سے لڑکے سیٹھ کے پاس پہنچنے لگے۔ اتنے لڑکے، اتنے لڑکے کہ بس لڑکے ہی لڑکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے زمین سے لڑکے اُبل رہے ہیں اور سیٹھ کے بنگلے کے سامنے اَن گِنت لڑکوں کو دیکھ کر ایسا جان پڑتا تھا کہ جیسے لڑکوں کا ایک میلہ لگا ہوا ہے۔

شرط

سیٹھ نے لڑکوں کی بڑی خاطر کی۔ سب کو وہ مٹھائیاں کھلائیں جو وہ کارخانے میں تیار کرانا چاہتا تھا۔ یہ مٹھائیاں سیٹھ نے نمونے کے طور پر کہیں باہر سے تازہ تازہ منگائی تھیں۔ مٹھائی کھلانے کے بعد سیٹھ نے کہا: "کہو بچو! کیسی مزے کی ہیں یہ مٹھائیاں؟ بھئی یہی مٹھائیاں میں اپنے کارخانے میں بنواؤں گا۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم ایک طرف بناتے جاؤ، اور دوسری طرف مزے لے لے کر کھاتے جاؤ تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ مجھے کیا پتہ کہ کس نے کتنی مٹھائی کھالی۔ میں ہر وقت تو کارخانے میں رہوں گا نہیں۔ پھر ہر ایک کو ہر وقت دیکھتے رہنا میرے بس کی بات نہیں۔ اس لئے مجھے ایسے لڑکوں کی ضرورت ہے جو محنتی بھی ہوں اور دیانت دار بھی۔"

"کیا ہوں محنتی اور ...... ؟" اللو نے کہانی سنتے سنتے سوال کیا۔

"اونہہ، تم ٹُپ سے بولے بغیر نہیں رہتیں۔" ثروت نے جھنجھلاتے ہوئے کہا: "کہانی سننے نہیں دیتیں!"

چاچا میاں نے بتایا تو "دیانت دار ہوں دیانت دار۔"

"ارے دیانت دار لڑکے کیسے ہوتے ہیں؟" اللو نے پھر پوچھا۔

"اری بھنو!" اب صفو بی سمجھانے لگیں: "دیانت دار اُسے کہتے ہیں کہ جیسے کسی کو کوئی چیز دی جائے، اور کہا جائے کہ اسے رکھ لو، پھر جب اُسے مانگیں تو وہ ویسی کی ویسی واپس کردی جائے، خرچ نہ کر ڈالی جائے۔ سمجھیں!"

"ہاں سمجھی ہیں، کنجوس کو کہتے ہیں نا؟ جیسے یہ ہیں ہمارے سدّو میاں" اَنّو نے بھولے پن سے کہا۔ اور سدّو میاں نے غصّے ہو کر اُس کا منھ نوچ لیا۔ بولے: "کنجوس آپ سے زیادہ کون ہے؟ امّی جان کوئی چیز آپ کو دیتی ہیں تو بس کنجوسی کے مارے رکھے رہتی ہیں، کھا نہیں سکتیں آپ، چیونٹے ہی چاٹ جاتے ہیں" اور وہ چیونٹا ایک آپ ہیں" اَنّو نے بھی غصّے کے ساتھ جواب دیا۔

ان کی چھیڑ چھاڑ ہونے لگی تو پھر صفو بی نے ڈانٹا۔ "اچھا ٹھیک طرح سے کہانی سننا ہو تو سنو۔ نہیں تو بھاگو یہاں سے"

صفو بی کی دھمکی سُن کر دونوں چُپ ہوئے، اور چاچا نے آگے کہانی سُنانی شروع کردی: "تو پھر سیٹھ نے لڑکوں سے کہا، بھئی میں سب لڑکوں کی جانچ کروں گا۔ جو لڑکا میری جانچ میں ٹھیک ہوگا، اسی کو کارخانہ میں

کام پر لگاؤں گا۔"

یہ جو سیٹھ نے کہا تو سارے لڑکے بول اٹھے۔ "ہم سب امتحان دینے کے لئے تیار ہیں۔" سیٹھ نے لڑکوں کو تیار دیکھا تو بولا "اگر آپ لوگ امتحان کے لئے تیار ہیں تو سنئے۔ یہاں سے بارہ کوس اُتر کی طرف ایک نیا گاؤں بسایا گیا ہے۔ اس گاؤں کا نام "محنت پور" ہے۔ محنت پور میں ایک حکیم صاحب ہیں۔ ان کا نام حکمت اللہ صاحب ہے۔ جو لڑکا محنت پور جاکر حکیم صاحب سے اپنے ایمان دار اور محنتی ہونے کی سند لے آئے گا، میں اُسے کام پر لگالوں گا۔"

سیٹھ یہ کہہ کر چُپ ہو گیا۔ نکھٹو لڑکوں نے تو اسی جگہ ہمّت ہاردی، آپس میں کُھسر پُھسر کرنے لگے۔ "اجی کون جائے محنت پور۔ نہ جانے حکیم ہمارے بارے میں ایماندار اور محنتی لکھ کردے، یا انکار کردے، تو بے کار میں پریشان ہوں، چلو جی کھیلیں چل کے گلّی ڈنڈا ——" لیکن کچھ لڑکوں نے ان نکھٹو لڑکوں کی بات نہ سُنی، اور وہ محنت پور کی طرف چل دیے۔

اتنا کہہ کر چاچا میاں نے ستّو میاں کی طرف

دیکھا، وہ اتّو کی طرف منھ بنا رہے تھے۔ چاچا میاں نے ٹوکا "سدّو میاں! یہ کیا؟" سدّو میاں بولے "کچھ نہیں چاچا میاں! آپ پان کے لئے چھوٹی بجیا کو پکارتے رہتے ہیں، اور یہ اُٹھ کر نہیں دیتیں، ہیں نا یہ نکھٹّو؟!"

سدّو میاں سے یہ سُن کر اتّو کچھ کہنے ہی والی تھی کہ چاچا میاں نے خود جواب دے دیا۔ "نہیں، بھئی، اتّو تو جھٹ پان لاکر مجھے دیتی ہے۔ اچھا بھئی خاموش رہو کہانی سنو آگے کیا ہوا؟"

"ہاں چاچا میاں! پھر کیا ہوا؟" ہم سب نے کہا، اور چاچا میاں پھر کہانی کہنے لگے۔ "پھر ہوا یہ کہ جو لڑکا محنت پور گیا، وہاں سے پلٹ کر نہ آیا۔"

"ارے کیوں؟ کیا ہوا ان سب کو وہاں؟" ہم سب نے ایک ساتھ چاچا میاں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا۔ "سُنتے جاؤ کہانی۔ اخباروں میں چھپا کہ جو لڑکا محنت پور جاتا ہے تو وہاں کے لوگ اُسے مُرغا بنا دیتے ہیں۔"

"ایں کیا مرغا؟" اب تو اتّو کو مزا آگیا۔ سدّو میاں کی طرف دیکھ کر مُسکرائی اور پھر بولی "اہا مُرغا ککڑوں کوں ———

——— الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ۔ ت کے اوپر دو نقطے۔"

یہ پتے کی بات اس وقت جو اَلّو نے کہی تو سب ہنس پڑے۔ سدّو میاں بہت شرمائے۔ اُن سے جواب تو کچھ بن نہ پڑا۔ بس غصّے میں اَلّو کی چُٹیا پکڑ کر جھٹک دی۔ اَلّو چیخی۔ "ارے مری میں۔" آخر چاچا میاں نے بیچ بچاؤ کرادیا اور پھر کہانی سُنانے ہی والے تھے کہ صفّو بی نے پوچھا۔ "تو پھر مٹھائی کا کارخانہ چالو ہوا یا نہیں؟" چاچا میاں نے بتایا کہ "نور پور کے ایک لڑکے امانت اللہ کی بدولت۔"

"اچھا ...... ! تو محنت پور والوں نے اُسے مُرغا نہیں بنایا؟" ہم سب نے ایک ساتھ سوال کیا۔ چاچا میاں نے کہا۔ "بھئی بیچ بیچ میں زیادہ سوال نہ کرو۔ نہیں تو رات بھر میں کہانی ختم نہ ہوگی۔ اور کہانی کہنے میں بار بار رُکنا پڑتا ہے تو مزا بھی کرکرا ہو جاتا ہے۔ بس اب نہ بولنا۔ چُپکے سنو۔ آگے بڑے مزے کی ہے کہانی۔"

محنت پور

"اچھا تو نور پور میں بھی کارخانے والی بات پہنچی۔ وہاں سے، سب سے پہلے دیانت اللہ صاحب کا اکلوتا بیٹا امانت اللہ محنت پور کی طرف چلا۔ لوگوں نے اُسے ڈرایا کہ وہاں کے لوگ لڑکوں کو مُرغا بنا دیتے ہیں، مگر امانت اللہ ڈرا نہیں۔ اُس کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ اور وہ اسلامی درس گاہ سے نیا نیا پاس ہوکر آیا تھا۔ اُس نے کہا "بھائی! ڈر تو بس اللہ کا ہے۔ ان لڑکوں نے کوئی خطا کی ہوگی تبھی تو مُرغا بنا دیے گئے ہوں گے۔ میں اللہ کے بھروسے پر محنت پور ضرور جاؤں گا۔" اور پھر دوسرے دن سویرے امانت اللہ محنت پور کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ صبح سویرے، منھ اندھیرے ہی گھر سے چل کھڑا ہوا۔ وہ راستے میں سُستایا نہیں۔ بس چلتا ہی رہا۔ چلتے چلتے گھنٹہ دو گھنٹہ دن چڑھے وہ محنت پور کے قریب پہنچ گیا۔ دیکھا تو گاؤں کے آس پاس چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ اُس نے سوچا گاؤں کے اندر جانے کا راستہ کہیں نہ

کہیں ہو گا ضرور، وہ اِدھر اُدھر گھوم پھر کے دروازہ تلاش کرنے لگا۔ آخر اُسے دروازہ مل گیا۔ دروازے پر ایک طرف ایک سنتری کھڑا تھا، اور دوسری طرف ایک نقّارہ رکھا تھا۔ جس کی چوب نقّارے پر ہی رکھی تھی۔ وہیں ایک طرف بہت سے لڑکوں کو مُرغا بنے دیکھا، اُسے بڑا تعجب ہوا۔ سنتری کے پاس گیا۔ السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ سنتری امانت اللہ کے ادب اور قاعدے سے بہت خوش ہوا۔ سلام کا جواب دے کر مصافحہ کیا، اور بولا " اے نیک لڑکے! تمہارا آنا مبارک! تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ دیکھو، ایک یہ سب ہیں (سنتری نے مرغوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) ان میں سے ایک نے بھی تو سلام نہیں کیا۔ نقارہ اور چوب رکھے دیکھا تو سمجھے کوئی کھیل ہے۔ بس بڑھے اور بے پوچھے گچھے بھڑ بھڑ۔ بھڑ بھڑ بے تحاشا نقارہ بجانے لگے۔ اس بدتمیزی پر انھیں مُرغا بنا دیا گیا۔

امانت اللہ نے کہا " جناب مجھے سکھایا گیا ہے کہ جب کسی سے ملو تو پہلے سلام کرو۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہی طریقہ تھا۔ میں نے اسی لئے اسلامی قاعدے سے سلام کیا۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ میں محنت پور گاؤں کے اندر کیسے جا سکتا ہوں؟ اور وہاں حکیم حکمت اللہ خاں صاحب سے کس طرح مل سکتا ہوں؟"

سنتری نے امانت اللہ کی باتیں سُنیں تو بولا "اے نیک بخت لڑکے! یہ سب لڑکے جو مُرغا بنا دئے گئے ہیں۔ یہ بھی اسی غرض سے آئے تھے، لیکن یہ یہیں مُرغا بنا دئے گئے ہاں کچھ لڑکے محنت پور گئے ہیں۔ مگر افسوس کہ کوئی وہاں سے واپس نہیں ہوا۔ محنت پور کا اخبار میرے پاس روز آتا ہے۔ میں نے اخبار میں دیکھا کہ جو لڑکا محنت پور گیا، مُرغا بنا دیا گیا۔ تو بیٹے! میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ محنت پور جانے کا ارادہ نہ کرو۔ تم تو بہت کم عمر اور دُبلے پتلے لڑکے ہو، تم محنت پور کی مشقت نہ جھیل سکو گے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم بھی مُرغا نہ بنا دیئے جاؤ، تمہارے ادب، قاعدے اور اچھی باتیں سُن کر مجھے تم پر پیار آتا ہے اسی لئے تم کو روکتا ہوں۔"

سنتری کی یہ باتیں سُن کر امانت اللہ نے کہا "آپ کی محبت کا شکریہ! لیکن میں محنت پور ضرور جاؤں گا۔ کوشش کرنا میرا کام ہے۔ اور کام کو پورا کرنا اللہ کے بس میں ہے

مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ راستے کی ساری مشکلوں کو میرے لئے آسان کر دے گا۔" امانت اللہ کا یہ پکّا ارادہ دیکھا تو سنتری نے شاباشی دی، اور بولا "تو پھر بسم اللہ کہہ کر اس نقارے پر تین بار چوب مار دو۔"

امانت اللہ نے نقارے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ نہ بھی بتاتے تو میں بسم اللہ ضرور پڑھ لیتا۔ مجھے معلوم ہے کہ بسم اللہ پڑھنے سے اللہ کی مدد شامل ہو جاتی ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔" اور یہ کہہ کر امانت اللہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کے چوب ہاتھ میں لی اور ایک، دو، تین بار چوب نقارے پر مار دی۔ نقّارے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دروازے کے کواڑ کھل گئے۔ سنتری نے امانت اللہ کو اشارہ کیا "بسم اللہ خدا حافظ۔"

" سنتری کا اشارہ پاتے ہی امانت اللہ دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی دروازہ پھر بند ہو گیا۔ اندر جا کر امانت اللہ نے دیکھا کہ گاؤں بڑا صاف ستھرا اور خوب صورت ہے۔ گاؤں کی آبادی بھی اچھی خاصی ہے اور لوگ خوش خوش نظر آ رہے ہیں۔ وہ گاؤں کی طرف

بڑھا۔ آبادی کے اندر گیا ۔ ایک شخص کو سلام کر کے حکیم صاحب کا پتہ پوچھا۔ اس نے امانت اللہ کو غور سے دیکھا، اور بولا "شاید آپ نئے نئے اس گاؤں میں آئے ہوئے ہیں؟ آپ ایسا کریں، محلہ ایمان ٹولے چلے جائیں ۔ اس محلے کی مسجد کے امام سے ملیں ۔ امام صاحب آپ کو حکیم صاحب کا پورا پورا پتہ بتادیں گے۔ اور دیکھئے وہ ہے سامنے محلہ ایمان ٹولہ اور وہ مسجد کا مینار دکھائی دے رہا ہے۔ بس اسی کی سیدھ میں چلے جائیے "۔

ایمان ٹولہ

امانت اللہ نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور مینار کی سیدھ پر ایمان ٹولے کی طرف چل دیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں مسجد کے پاس پہنچ گیا۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) پڑھ کر مسجد میں داخل ہوا۔ اندر جا کر پکارا "السلام علیکم" کچھ لوگ وہاں بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے، اور کچھ نفلیں پڑھنے میں لگے تھے۔ امانت اللہ سیدھا حوض کے پاس پہنچا۔ وضو کیا، اس نے دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ سلام پھیر کے دعا مانگی۔ اس کے بعد ایک صاحب سے پوچھا "امام صاحب کہاں ہیں؟" اس نے ایک بزرگ صورت آدمی کی طرف اشارہ کر دیا ——— امانت اللہ ان کے پاس پہنچا۔ سلام کیا، اور مصافحہ کر کے ایک طرف ادب سے بیٹھ گیا۔ امام صاحب اس کے طور طریقے سے بہت خوش ہوئے، بولے "اے نیک لڑکے! تمہارا آنا مبارک! تم بڑے تمیز دار بچے ہو۔ ذرا میرے ساتھ اِدھر آؤ اور مسجد کے اس طرف احاطے میں دیکھو، ایک یہ بد تمیز لڑکے ہیں، نہ سلام نہ دُعا

نہ ادب نہ سلیقہ، بس اندھا دھند مسجد میں گھس آئے، انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کون سا پاؤں مسجد کے اندر پہلے رکھنا چاہیئے اور پھر بے وضو، پسینے میں شرابور آکر پوچھنے لگے "حکیم صاحب کہاں ہیں؟ حکیم صاحب کہاں ہیں؟" بھلا یہ بھی کوئی قاعدہ ہے؟ اُن کو ادب سکھانے کے لیے۔ حکیم صاحب کے حکم سے مُرغا بنا دیا گیا ہے۔ اب جب حکیم صاحب حکم دیں گے تب ہی یہ لڑکے اس سزا سے چھوٹیں گے۔"

اچھا تو امام صاحب سے یہ سُن کر امانت اللہ نے کہا "امام صاحب مجھے میرے استاد نے مسجد کے سارے آداب سکھا دیے ہیں۔ اب آپ سے یہ عرض ہے کہ مہربانی کر کے آپ مجھے حکیم صاحب کا پتہ بتا دیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

یہ سُنکر امام صاحب امانت اللہ کو سمجھانے لگے۔ "میاں صاحبزادے! حکیم صاحب سے ملنے کے لئے تم کو بڑی مشقت جھیلنا پڑے گی۔ تم دُبلے پتلے اور کم عمر لڑکے ہو۔ تم راستے کی مشکلیں برداشت نہ کر سکو گے، بہت دن ہوئے کچھ لڑکے حکیم صاحب سے ملنے گئے، لیکن وہ اب تک واپس نہ آسکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گئے۔ تم میرا کہا مانو، تمہاری باتیں سُن کر مجھے تم پر پیار آتا ہے۔ آؤ میں تم کو اس مسجد کا مؤذّن بنا دوں۔ میں

مزے سے پانچوں وقت اذان دیا کرو، آرام سے روٹی کھاتے رہو گے تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

روٹی کپڑے کا نام سُنا تو امانت اللہ نے امام صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔" جناب! روٹی کپڑے کی محتاجی تو مجھے گھر پر بھی نہ تھی۔ پھر میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ اللہ رزّاق ہے، اُس نے ساری مخلوق کو روزی دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ مجھے بھی روزی دیگا۔ اب یہ بندے کی کوشش اور دوڑ دھوپ پر ہے کہ وہ کس طریقے سے لینا چاہتا ہے۔ تو میرا ارادہ ہے کہ میں مٹھائی کے کارخانہ میں کام کرکے روزی کماؤں۔ آپ مہربانی کرکے حکیم صاحب کا اَتہ پتہ مجھے بتا دیں۔ حکیم صاحب کی سند کے بغیر کارخانے کا سیٹھ کسی کو کارخانے میں گھسنے نہیں دے گا۔"

یہ سنکر امام صاحب نے کہا۔" بیٹے! تم بہت سمجھدار ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم حکیم صاحب تک ضرور پہنچو گے۔ اچھا اب تم محلہ مساوات پور چلے جاؤ۔ اس محلے کے چودھری شیخ کرم الٰہی ہیں، ان سے جاکر ملو۔ اگر وہ چاہیں گے تو حکیم صاحب تک پہنچ جاؤ گے۔

اچھا خدا حافظ۔ السّلام علیکم۔"

مساوات پور

مساوات پور کا اتہ پتہ پوچھ کر امانت اللہ اُدھر کو چلا۔ اُس محلے میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ یہاں ہر قسم کا کام ہوتا ہے اور بڑے بڑے لوگوں کے لڑکے یہاں کام سیکھ رہے ہیں۔ کوئی بڑھئی کا کام سیکھ رہا ہے، تو کوئی لوہاری کا، کوئی چمڑے کا کام، تو کوئی کپڑا بننے کا۔ کوئی سلائی کا کام، تو کوئی موچی کا کام۔ مطلب یہ کہ ہر قسم کے پیشے وہاں ہو رہے تھے۔ سب محنت سے کام کر رہے تھے، اور کوئی کسی پیشے سے شرماتا نہیں تھا۔ نہ کسی کو چھوٹائی بڑائی کا خیال۔ امانت اللہ اُن لوگوں کی محنت اور کام کی لگن دیکھ بہت خوش ہوا۔ اُس نے ایک لڑکے سے چودھری شیخ کرم الہٰی کا پتہ پوچھا۔ لڑکے نے پہلے غور سے امانت اللہ کو دیکھا اور پھر ساتھ ہولیا اور چودھری صاحب کے گھر پہنچا دیا، اور پھر اپنے کام کو چلا گیا۔

چودھری شیخ کرم الہٰی صاحب اس وقت بیٹھے اپنی پرانی جوتیاں اپنے ہاتھوں سے گانٹھ رہے تھے۔ سُتاری لئے کچھ ٹانکے لگا رہے تھے کہ امانت اللہ پہنچا۔ سلام کیا۔ ایک طرف قاعدے سے بیٹھ گیا۔ شیخ صاحب نے نظر اوپر اٹھائی۔ سلام کا جواب دیا، پھر سُتاری رکھ کر مصافحہ کیا۔ پھر اُٹھ کر گھر میں گئے وہاں سے ستو لئے

ہوئے واپس آئے۔ امانت اللہ سے کہنے لگے "آپ مسافر معلوم ہوتے ہیں آپ تھک بھی گئے ہوں گے، بھوکے پیاسے بھی ہوں گے۔ یہ لیجیے، ستّو پی لیجیے پھر آپ جہاں جانا چاہیں گے، آرام سے پہنچا دیا جائے گا۔"

امانت اللہ اس وقت سچ مچ بھوکا تھا۔ اس نے بڑے شوق سے ستّو پیا۔ اس کے بعد شیخ صاحب کے پوچھنے پر حکیم صاحب سے ملنے کی بات کہی۔ یہ سُنا تو شیخ صاحب نے بھی سمجھایا کہ حکیم صاحب سے ملنے کا ارادہ چھوڑ دے۔ ان سے ملنے کے لیے جان بڑی جوکھم میں ڈالنا ہوگی۔ لیکن جب امانت اللہ نے اصرار کیا تو شیخ صاحب بولے۔ "اچھی بات ہے تو لیجیے میاں، ذرا یہ میرا چمڑے اور اوزاروں کا بکس اُٹھا لیجیے، اور بازار تک پہنچا دیجیے۔ بازار ہی سے حکیم صاحب کے گھر کو جانے کا راستہ بتا دوں گا۔"

یہ سُننا تھا کہ امانت اللہ نے جھٹ بکس اُٹھا لیا۔ اپنے سر پہ رکھا۔ بکس بڑا وزنی تھا لیکن امانت اللہ نے پروا نہ کی۔ لے کر چلا۔ راستے میں اس نے بہت سے لڑکوں کو مُرغا بنے دیکھا۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ یہ بھی حکیم صاحب سے ملنے یہاں تک آئے، لیکن جب میں نے اُن سے کہا کہ یہ بازار تک پہنچا دو تو بولے "ہم کوئی مزدور تو ہیں نہیں ہم تو نہیں لے جاتے بکس۔"

اس طرح کی باتیں سنیں تو مجھے بڑا بُرا لگا۔ بھلا سوچنے کی بات

ہے۔ نبیوں نے کیسے کیسے پیشے کئے ہیں۔ کسی نے کھیتی کا کام کیا ہے۔ کسی نے بکریاں چرائی ہیں۔ کوئی زرہ بناتا تھا۔ کوئی کپڑا بننے کا کام کرتا تھا۔ اسی طرح پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائیں۔ آپؐ اپنے جوتے بھی اپنے ہاتھوں گانٹھ لیتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ نے ہر طرح کے کام کئے ہیں اور پھر آخر میں ہمارے اماموں میں سے کوئی درزی تھا، کوئی بڑھئی، کوئی پارچہ باف، کوئی کچھ، کوئی کچھ، بلکہ پیشے اور تجارت کی اسلام میں بڑی تعریف کی گئی ہے۔ تو میاں امانت اللہ! ان بے وقوفوں نے ایسی باتیں کیں تو مجھے ایسا لگا کہ انھوں نے ہمارے بزرگوں کی عزت پر حملہ کیا۔ بس میں نے حکیم صاحب کے حکم سے سب کو مُرغا بنا دیا۔ ذرا یہ سزا بھگت لیں، پھر جیسا حکیم صاحب کا حکم ہوگا ویسا سلوک اُن کے ساتھ کیا جائے گا۔ اچھا بھائی! تم ہمارے امتحان میں پورے اُترے۔ اب تم "کام باغ" چلے جاؤ۔ باغبان سے ملو۔ اللہ نے چاہا تو تم وہاں بھی جانچ میں پورے اُترو گے۔ پھر باغبان تم کو حکیم صاحب پہنچا دے گا۔ اچھا خدا حافظ۔

السلام علیکم"

کام باغ

سلام کرکے شیخ صاحب نے امانت اللہ سے اپنا بکس لے لیا۔ ایک راستے کی طرف اشارہ کیا کہ ادھر چلے جاؤ۔ سامنے "کام باغ" ملے گا۔ شیخ صاحب کا اشارہ پاتے ہی امانت اللہ اس راستے پر ہولیا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ "کام باغ" کے درخت اُسے نظر آنے لگے۔ اس نے دیکھا کہ نہایت ہرا بھرا، لہلہاتا اور پھل دار باغ ہے۔ طرح طرح کے رنگ دار اور رسیلے پھل لگے ہوئے ہیں۔ امانت اللہ اس باغ کے اندر گیا۔ بہت سے لوگ اس میں کام کر رہے تھے۔ ان سے باغبان کا پتہ پوچھا پھر جاکر ان سے ملا۔ اس وقت باغبان صاحب ایک تازہ "قلم" باندھ رہے تھے۔ امانت اللہ نے جاکر سلام کیا تو اس کی طرف دیکھا، پھر خود ہی کہنے لگے "شاید آپ حکیم صاحب سے ملنا چاہتے ہیں؟ اچھا، اچھا۔ ذرا میں یہ "قلم" باندھ لوں، نہیں تو خراب ہو جائے گی۔ ابھی ابھی تازہ تراش کر لایا ہوں، اتنی دیر میں آپ ایسا کریں کہ ذرا وہ کُدال اٹھالیں، اور دیکھئے وہ جو پھل اور میوے رکھے ہیں نا! اس میں سے جو جی چاہے اور جتنا جی چاہے

لے لیں ، اور کھائیں ، اور کُدال لئے ہوئے اس شہتوت کے نیچے جائیں اور وہاں سوا گز لمبی ، سوا گز چوڑی ، سوا گز گہری جگہ کھودیں اور اس میں سے جو نکلے لے کر آجائیں ۔ اتنی دیر میں فرصت پا جاؤں گا۔ پھر آپ کو حکیم صاحب تک پہنچا دوں گا۔"

امانت اللہ نے یہ سنتے ہی کُدال اُٹھالی ، اور بولا باغبان صاحب ! مساوات پور میں پیٹ بھر کے ستّو کھا پی چکا ہوں۔ اس وقت کچھ کھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ آپ کے کہنے سے دو سنترے لئے لیتا ہوں ، بس یہ کافی ہیں۔"

اور یہ کہہ کر امانت اللہ نے دو سنترے لے لئے انھیں چھیلا، کھایا۔ جی خوش بلکہ بحال ہوگیا۔ باغبان غور سے دیکھتا رہا۔

اب وہ شہتوت کے پیڑ کے نیچے پہنچا۔ دیکھا تو بڑی سخت زمین ہے ، مگر وہ ہمّت نہ ہارا۔ سوا گز لمبی چوڑی زمین ناپ کر کھودنے لگا۔ ایسی سخت زمین تھی کہ کُدال اُچٹ اُچٹ جاتی لیکن وہ جُٹا رہا۔ بڑی محنت کر کے اس نے زمین کے اوپر کی تہہ توڑی ہی تھی نیچے نرم زمین ملی ۔ پھر کیا تھا۔ چٹ پٹ کھود کھاد کر الگ کیا۔ اندر سے لوہے کی ایک صندوقچی نکلی۔"

" اور صندوقچی میں کیا نکلا ؟" ننّو بی نے چاچا سے پوچھا۔ چاچا میاں نے کہا" سُنے جاؤ۔ صندوقچی لیے وہ باغبان کے پاس آیا۔

صندوقچی دیکھ کر باغبان بہت خوش ہوا۔ اس نے امانت اللہ کومبارکباد دی اور کہا: بس بھائی! تمہارا ایک امتحان اور باقی ہے۔ اللہ نے چاہا تو تم آگے بھی پورے اُترو گے۔ کام باغ تک کوئی شخص نہیں آسکا تم پہلے آدمی ہو کہ یہاں تک پہنچے۔ اور اپنے مطلب میں کامیاب ہوئے۔ بس اب یہ کرو کہ یہ صندوقچی لو اور یہ پھلوں اور میوؤں کا ٹوکرا اٹھالو۔ یہ سب لیے ہوئے آگے بڑھو۔ سامنے نہر ملے گی، اُس پر پُل بنا ہے۔ پُل پر سے ہوتے ہوئے داہنی طرف کو جانا۔ محلہ قاضی ٹولہ میں پہنچ جاؤ گے۔ محلہ قاضی ٹولہ میں حکیم صاحب کا خزانچی رہتا ہے۔ اسے یہ صندوقچی اور پھل وغیرہ دینا۔ اور پھر جیسا وہ کہے ویسا کرنا۔ اللہ نے چاہا تو مغرب سے پہلے حکیم صاحب کی خدمت میں پہنچ جاؤ گے۔"

سند

باغبان کی یہ نصیحتیں سُن کر امانت اللہ نے صندوقچی اور پھلوں کا ٹوکرا اٹھا لیا، اور شہر کی طرف چل دیا۔ وہ قاضی ٹولہ پہنچا۔ خزانچی صاحب کا مکان پوچھتا ہوا اُن کے گھر گیا۔ جاکر اُن سے ملا۔ اس وقت خزانچی صاحب بیٹھے نوٹ گن رہے تھے امانت اللہ نے جاکر سلام کیا اور صندوقچی اور پھل دے کر کہا۔" مجھے حکیم صاحب سے ملنا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری مدد کریں گے۔"

خزانچی صاحب ناک پر سے عینک اُتارتے ہوئے بولے۔

"میاں دو منٹ یہاں ٹھہر جاؤ، میں ذرا ایک کام کو ہو آؤں۔ پھر آپ کے ساتھ حکیم صاحب کے پاس چلتا ہوں۔" اور یہ کہہ کر خزانچی صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے، اور ہزاروں، لاکھوں روپیوں کے نوٹ اسی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ امانت اللہ نے اتنے ڈھیروں نوٹ دیکھے تو شیطان نے بہکایا۔" ارے میاں امانت! کہاں حکیم وغیرہ کے چکر میں پڑے ہو۔ لو یہ نوٹ سمیٹو اور اپنا راستہ ناپو۔ عمر بھر چین سے کھاؤ گے۔ کارخانے دار خانے کو مارو گولی!" یعنی چوری

کرنے کو جی چاہا" سدّو میاں نے سوال کیا۔ چاچا میاں نے کہا۔" جی ہاں ـــــــ اس طرح شیطان نے بہکایا تو امانت اللہ "توبہ، توبہ" کرنے لگا۔ وہ توبہ توبہ کر ہی رہا تھا کہ خزانچی صاحب آ گئے۔ پوچھا۔

"ارے میاں! توبہ توبہ کیا کر رہے ہو؟" امانت اللہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ "ان نوٹوں کو دیکھ کر میرا دل بے ایمانی سکھانے لگا تھا۔ اِسی لئے میں توبہ توبہ کرنے لگا۔ آپ جانتے ہیں کہ چوری کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چور سے بہت ناخوش ہوتا ہے۔"

امانت اللہ کی اس بات سے خزانچی صاحب بہت خوش ہوئے، بولے" دیکھو عصر کا وقت ہو گیا، چلو مسجد چلیں، نماز پڑھیں۔"

نماز پڑھ کر امانت اللہ خزانچی صاحب کے ساتھ حکیم صاحب سے ملنے چلا، تھوڑی دیر میں دونوں حکیم صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ خزانچی صاحب نے امانت اللہ کو حکیم صاحب سے ملایا۔ امانت اللہ نے حکیم صاحب کو ادب سے سلام کیا۔ پھر مصافحہ کر کے صندوقچی اور پھل پیش کئے۔ یہ تحفہ پا کر حکیم صاحب بہت خوش ہوئے۔

امانت اللہ کو گلے لگالیا۔ اور فرمایا: "تم جس وقت سے محنت پور میں داخل ہوئے ہو۔ تمہاری ساری باتوں کی خبر میرے آدمی مجھے دیتے رہے۔ اے نیک بخت لڑکے تم یہاں آکر ہمارے امتحان میں پورے اُترے۔ لو، جو تم چاہتے، تم نے مجھ سے ملنے سے پہلے حاصل کرلیا۔ اس صندوقچی میں تمہارے لئے سند موجود ہے۔

یہ کہہ کر حکیم صاحب نے صندوقچی کی کنجی اپنی جیب سے نکالی۔ صندوقچی کا قفل کھولا۔ اس کا ڈھکنا اٹھایا۔ پھر اس کے اندر سے نہایت خوب صورت کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا، یہ کاغذ بالکل ایسا تھا جیسے اسکولوں میں سند دی جاتی ہے۔ یہ سند امانت اللہ کو دی اور کہا پڑھو، اس میں کیا لکھا ہے؟"

امانت اللہ نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:۔

"اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ سے ڈرو، اور لگاتار محنت کرو۔ یہی تین باتیں انسان کو ہر جگہ کامیاب بناتی ہیں۔"

حکیم صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا کہ یہ سند امانت اللہ میاں کے لیے ہے اور پھر اپنے دستخط کر دئے۔ یہ سند پاکر امانت اللہ میاں بہت خوش

ہوئے۔ انھوں نے دل ہی دل میں اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد تین دن حکیم صاحب کے مہمان رہے۔ چوتھے دن حکیم صاحب نے انھیں رخصت کرتے وقت پوچھا۔ "امانت اللہ میاں! تم اور جو کچھ چاہتے ہو۔ تو کہو۔ اگر ہمارے بس میں ہوگا تو تمہارا کہنا نہیں ٹالیں گے۔"

امانت اللہ میاں نے کہا۔ "حکیم صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ ان لڑکوں کی خطائیں معاف کر دیں جو یہاں مُرغا بنا دیے گئے ہیں۔ انھیں کافی سزا مل چکی، امید ہے کہ اب وہ نیک بن جائیں گے۔"

امانت اللہ میاں کے کہنے سے حکیم صاحب نے وہ سارے مُرغ منگوائے۔ ان کی طرف دیکھا، اور پھر پکار کر بولے۔

"تم سب کی خطا معاف۔ اپنے اپنے کان چھوڑ دو۔ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

حکیم صاحب کے یہ کہتے ہی مُرغا بنے ہوئے لڑکوں نے اپنے اپنے کان چھوڑ دیئے، اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حکیم صاحب نے سب کو نصیحت کی اور امانت اللہ

میاں کی طرح رہنے سہنے کی تاکید فرمائی
سب لڑکوں نے سچے دل سے توبہ کی اور
کہا :۔

" اب ہم کبھی بے ایمانی نہ کریں گے۔ ہر کام محنت
سے کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے۔"

لڑکوں سے یہ سُنا تو امانت اللہ میاں نے حکیم صاحب
سے کہا: "جناب! یہ لڑکے سچے دل سے توبہ کر رہے ہیں۔
میں چاہتا ہوں کہ اب آپ انھیں بھی سند عطا
فرمائیں تو یہ سب بھی مٹھائی کے کارخانے میں کام
کرسکیں گے۔"

امانت اللہ میاں نے اس طرح سفارش کی تو
حکیم صاحب مُسکرا دیئے اور ان سب لڑکوں کو بھی سند
عنایت فرمائی۔

اس کے بعد ان سب لڑکوں کو لے کر امانت اللہ میاں
خوش خوش لوٹے۔ سب اپنے اپنے گھر گئے اور کہتے
ہیں کہ اس کے تیسرے دن مٹھائی کا کارخانہ چالو ہوگیا۔
اور پھر اس کی خوب ترقی ہوئی۔ پھر جیسے دن ان سب
کے گزرے، خدا کرے، اسی طرح سب کے گزریں۔

چاچا میاں کہانی کہہ چکے۔ پوچھا "کہو کیسی لگی ؟" ہم سب نے کہا " خوب خوب " اور پھر ہم سب اپنے اپنے بستر میں جا کر گھس گئے ——— اور یہ سوچتے سوچتے سو گئے کہ ہم بھی اللہ پر بھروسہ کریں گے، اللہ سے ڈریں گے اور محنت سے ہر کام کریں گے......"